© rasailojaraid.com

(۱) کتاب المصباح المضیٔ فی کتاب النبی الامی و رسلہ الی ملوک الارض من عربی و عجمی:

اس کے مصنف آٹھویں صدی ہجری کے محمد بن علی بن احمد بن حدیدۃ الانصاری ہیں ۷۷۹ھ میں تصنیف سے فارغ ہوئے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم کاتبوں اور ۳۴ قاصدوں کا تذکرہ ہے اور اس کے بعد مراسلات نبوی کا متن ہے دنیا میں اب تک اس کتاب کے صرف تین نسخوں کا پتہ چلا ہے جن میں سے ایک یہ ہے۔ ایک پیرس کی امپیریل لائبریری میں اور ایک پٹنہ میں عجیب و غریب مخطوطہ ہے دیکھتے ہی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

(۲) جداول النورانیہ فی استخراج الآیات القرآنیہ: اس کتاب کو اورنگ زیب عالمگیرؒ کے لئے ناصر بن حسین الحسنی والحسینی النجفی نے ترتیب دیا تھا۔ سرنگاپٹم کے سقوط کے بعد جب سلطان ٹیپو شہید کے محل میں لوٹ مچی ہے تو یہ مخطوطہ سلطان کے پلنگ پر تکیہ کے پاس رکھا ہوا ملا تھا۔

(۳) القواعد لبدر الدین الزرکشی: یہ فقہ شافعی میں قانون کی ڈکشنری ہے

(۴) روزنامچہ مولوی عبدالوہاب مدار الامراء بہادر المتوفی ۱۲۸۵ھ اس میں چار تاریخیں ہیں (۱) ہجری (۲) ایرانی (۳) عیسوی (۴) ٹامل

(۵) مولوی محمد غوث صاحب نے ایک ضخیم کتاب "نثر المرجان فی رسم نظم القرآن" کے نام سے لکھی تھی: یہ کتاب عرصہ ہوا چھپی تھی یہاں اس کتاب کا اصل مسودہ مصنف کے قلم کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اس پر ایک نگاہ ڈالنے سے پتہ چلا کہ مصنف نے اولاً اس کا نام "نثر الریحان" تجویز کیا تھا۔ بعد میں رائے بدل گئی تھی۔

وقت کی تنگی کے باعث دل پر انتہائی جبر کرکے ایک بجے کے قریب کوکن صاحب اور میں یہاں سے روانہ ہوئے اور سیدھے یونیورسٹی پہنچے۔ یہاں کی لائبریری میں علوم مشرقیہ کے مخطوطات کا ایک الگ مگر نہایت وسیع سکشن ہے۔ لائبریرین کی اجازت لے کر اس میں گھس گئے۔ فارسی میں فیضی کے ترجمۂ مہابھارت کا نہایت خوبصورت اور مرصع مخطوطہ اور طب میں کفایۃ الاطباء کا ضخیم مخطوطہ دیکھا۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہاں سنسکرت۔ ٹامل تلیگو اور پالی کے اسی ہزار مخطوطات موجود تھے جو تپوں یا درخت کی چھالوں پر لکھے ہوئے مکمل طور پر محفوظ تھے اور ایک کمرہ میں دو تین پنڈت اڈیٹنگ ورک کر رہے تھے۔ یہاں سے رخصت ہو کر میں ہوٹل آیا اور کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر قیلولہ کیا۔

زنانہ کالج میں میری انگریزی تقریر | پروگرام کے مطابق ابھی چار بجے تھے کہ کوکن صاحب تشریف لے آئے اور ہم دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئی۔ ای۔ ٹی وومین کالج پہنچے۔ اس کالج کی عمر ابھی صرف بارہ برس ہے لیکن اس کا شمار مدارس کے اعلیٰ درجہ کے ں میں ہوتا ہے۔ بشیر احمد سعید صاحب ان کے بانی اور ان کی بیگم صاحبہ اس کے چیئرمین ہیں، لڑکیوں کی تعداد دو ہزار ہو اور استانیاں ایک سو دس ہیں جن میں تین سو لڑکیاں اور ۳۶ استانیاں مسلمان ہیں، کالج پر اب تک ساٹھ لاکھ روپیہ ہوچکا ہے۔ اور اس رقم میں ۹۷ فی صد مسلمانوں کا حصہ ہے جن میں عرب ممالک کے فرماں روا اور ملیشیا و سنگاپور فرزندانِ اسلام بھی شامل ہیں۔ بلڈنگ کے ایک خاص حصہ میں (اسمبلی ہال کے قریب) سنگ مرمر کی تختیوں پر ان معطی حضرات کے نام کندہ ہیں۔ آرٹس اور سائنس کے تمام مضامین کی تعلیم ہوتی ہے۔ ساڑھے چار بجے ایک وسیع اور کشادہ ہال میں جلسہ شروع ہوا۔ مرد تو لے دے کے صرف چار تھے۔ پورا ہال معلمات و متعلمات سے بھرا ہوا تھا گویا "طوطی شش جہت سے مقابل ہے آئینہ" پہلے ایک طالبہ نے قرأت کی۔ پھر بانی کالج نے میرے متعلق ایک تعارفی تقریر جواب میں کھڑا ہوا۔ تقریر شروع کی۔ یہاں مسلمان لڑکیاں تو اردو سمجھتی اور کچھ بول بھی لیتی ہیں۔ لیکن بیرونی ملکوں اور مقامی غیر مسلم لڑکیاں نہیں سمجھتیں اور بشیر سعید صاحب نے پہلے سے کہہ بھی دیا تھا۔ اس لئے تقریر انگریزی زبان میں جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی۔ شروع میں میں نے کہا "میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کیا ہے؟ کیوں کہ بدقسمتی سے اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کو مغرب اور مشرق نے غلط سمجھا ہے۔ غیر مسلموں نے اور حد یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے اسے غلط سمجھا ہے۔ اس کے بعد ایمان و عمل کے سیاق میں حکمت نظری اور حکمت عملی پر روشنی ڈال کر ثابت کیا کہ حضور کس طرح رحمت عالم اور اسلام ایک دینِ فطرت ہے، بشیر سعید صاحب کم کسی کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن جب میں تقریر کر کے بیٹھا تو انھوں نے بڑے متاثرانہ انداز میں مصافحہ کیا اور فرمایا Moving and fine speech (حرکت انگیز اور عمدہ تقریر) جلسہ برخاست ہوا تو بشیر سعید صاحب مجھے دروازہ کے قریب لے کر کھڑے ہو گئے۔ ایک ایک معلمہ نکلتی جاتی تھی اور وہ ان کو مجھ سے متعارف کراتے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ دیکھنے میں یہ نوعمر لڑکیاں سی تھیں لیکن سب کی سب کوئی ایم۔ اے کوئی ایم۔ ایس سی اور سائنس اور آرٹ میں پی۔ ایچ ڈی سے بھی کم نہیں اس کے بعد ایک ہال میں اسٹاف کے ساتھ عصرانہ کا انتظام تھا جو بہت پر تکلف اور باسلیقہ تھا۔ اس سے بھی فراغت ہو گئی تو بشیر سعید صاحب نے کالج کی عمارتیں۔ کلاس رومز۔ لیبوریٹریز ہاسٹل۔ آڈیٹوریم۔ سوئمنگ پول۔ کھیل کے میدان۔ لائبریری۔ ریڈنگ روم۔ کامن روم۔ کچن۔ ڈائننگ ہال ریستوران۔ اکزامنیشن ہال۔ دفاتر۔ سِک روم (بیمار گھر) یہ سب چیزیں اطمینان اور تفصیل سے دکھائیں۔ ہر بلڈنگ

© rasailojaraid.com

اور ہر عمارت نک سک سے درست ٹپ ٹاپ۔ ماڈرن طریقہ کی اور بہترین فرنیچر سے آراستہ لڑکیوں اور اُستانیو
کا لباس بہت سادہ نہ کنگھی چوٹی نہ کسے کساتے نیم عریاں بلاؤز اور نہ مانگ نہ سیندور۔

کالج میں ایک نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب مسجد بھی ہے جو سوا لاکھ روپیہ کے صرف سے تیار ہو
اس کا ساز و سامان بھی اعلیٰ قسم کا ہے وضو کے لئے بہت سے نل لگے ہوئے ہیں جن میں پانی قریب ہی ایک
بڑا کنواں ہے اُس سے مشین کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ میں نے عصر اور مغرب دونوں وقت کی نماز اسی مسجد میں ادا
جب عصر کی نماز پڑھی تھی تو دیکھا تھا کہ مسجد میں کچھ لڑکیاں نماز پڑھ رہی تھیں اور کچھ تلاوت قرآن میں مصروف تھ
مغرب کے وقت ایسا ہوا کہ میں نے امامت کی اور اس وقت میرے پیچھے بشیر سعید صاحب۔ کوکن صاحب
عبد السبحان عظمی صاحب جو کالج میں دینیات کے استاد ہیں۔ یہ تین حضرات تھے۔ لیکن سلام پھیرا تو دیکھا دو صف
خواتین کی بھی تھیں چلتے اور گھومتے پھرتے دو گھنٹے ہو گئے تھے اور میں تھک سا گیا تھا اس لئے میں نے
بشیر سعید صاحب سے فرمایا "یہ تو ابھی کالج کی صرف ایک منزل دیکھی ہے۔ بالائی منزل پر تو گئے بھی نہیں"۔ میں
"باقی آئندہ" اب ہم کار میں روانہ ہوئے۔ مجھے اس وقت کوکن صاحب کے ساتھ ان کے مکان پر عشائیہ
تھا۔ اس لئے بشیر سعید صاحب ہم دونوں کو "زندان یوسف" پر اُتار کر گھر چلے گئے۔ یہاں کوکن فیملی سے ملا
کر کے ایسی ہی خوشی ہوئی جیسی کہ ایک ہفتہ کے بعد اپنے گھر کا سا کھانا اور بھنی ہوئی جھینگا مچھلی شامی کباب وغیرہ

دوسرے دن یعنی ۱۲ ستمبر جو مدراس میں میرے قیام کا آخری دن تھا اس کا پروگرام اس طرح شروع ہوا کا
صاحب صبح نو بجے میرے ہوٹل پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ انجمن حمایت اسلام کا یتیم خانہ جس کے موصوف صدر
اسے دیکھا۔ اس میں دو سو لڑکے اور لڑکیاں رہتے ہیں۔ قیام و طعام و تعلیم۔ مذہبی تربیت اور صنعتی تر
ان سب کا خاطر خواہ بندوبست ہے۔ لیکن عمارت بوسیدہ ہے۔ تعمیر کا کام برسوں سے رکا پڑا تھا۔ اب پھر
ہوا ہے۔ انجمن کی ملکیت میں نہایت وسیع قطعات زمین ہیں فنڈ نہ ہونے کے باعث یوں ہی پڑے ہوئے
اسے دیکھ کر یہاں سے فارغ ہو کر "دی نیو کالج" پہنچے۔ یہ کالج جنوبی ہند کے مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا قا
ہے ۱۹۵۱ء میں شروع ہوا، اور ۵۷ء سے مدراس کا فرسٹ گریڈ کالج بن گیا۔ آرٹس اور سائنس کے تمام
کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس میں بھی ایک خوبصورت اور شاندار مسجد بنی ہوئی ہے۔ مسلمان طلباء کی تعداد ۴۰۰ فی
ہے۔ گذشتہ سال تک اس کے پرنسپل ہمارے فاضل دوست مولانا سید عبدالوہاب بخاری تھے۔ موجودہ

© rasailojaraid.com

پال کرشن صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھیں سخت افسوس ہوا کہ پہلے سے خبر نہ ہوئی ورنہ میری تقریر کراتے۔ کالج۔ کلاس روم۔ لیبورٹریز۔ ہوسٹل۔ لائبریری سب گھوم پھر کر خوب دیکھیں۔ پرنسپل کے یں مسلمان لیڈروں اور ہندو رہنماؤں کے ساتھ مسٹر محمد علی جناح کا شاندار فوٹو دیکھ کر نگاہ ٹھٹک ہ گئی۔ انتظام سب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ جدید مینجنگ کمیٹی میں نو ممبر ہیں اس میں پرنسپل عہدہ کے اعتبار سے ممبر ہیں ان کے علاوہ سب مسلمان ہی ہیں۔ بشیر سعید صاحب بھی ایک ممبر ہیں میں تھک گیا تھا۔ ایک بجے کے قریب بشیر سعید صاحب نے مجھے میرے ہوٹل پہنچا دیا اور چونکہ مجھے سرے دن صبح ہی واپس ہونا تھا اس لئے میں نے ان سے رخصت لی اور اُن کی عنایتوں کا شکریہ کیا موصوف کے عزم و ہمت اور ان کے کارناموں کو دیکھ کر دل پر بڑا اثر ہوا۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق م جنوبی ہند کے سرسید کہلاتے تھے بشیر سعید صاحب انھیں کے اسکول کے آدمی اور ان کے رفیق ہیں۔ اس لئے اگر مولوی صاحب مرحوم واقعی اس نواح کے سرسید تھے تو بشیر سعید صاحب بی ہند کے یقیناً ''محسن الملک'' ہیں۔

جمالیہ میں میری عربی تقریر اور مذاکرہ

ہوٹل پہنچ کر میں نے کھانا کھایا۔ نماز پڑھی۔ قیلولہ کیا۔ یہاں شام کے پانچ بجے کے قریب وعدہ کے مطابق کوکن صاحب تشریف لے آئے ہم دونوں بازار رتے کراتے مغرب کے بعد مدراس سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے پیرمبور ٹیکسی کے ذریعہ پہنچے۔ یہاں جنوبی ہند کا مشہور مدرسہ جمالیہ ہے۔ اور اس کے سامنے ہی سیٹھ جمال محی الدین رہتے ہیں۔ صاحب بڑے قومی کارکن اور ممبر پارلیمنٹ ہیں سنٹرل وقف کونسل نئی دہلی کی اسلامی تعلیمی کمیٹی کے چیرمین ہیں اُس کے ممبر بھی ہیں چند ماہ سے قلب کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ پہلے ہم دونوں سیٹھ صاحب ں گئے۔ ان کی عیادت کی وہ دیر تک علالت کے باوجود مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری لانا محمد علی کی باتیں سُناتے رہے۔ یہاں سے اُٹھے تو مدرسہ جمالیہ پہنچے۔ خیال تھا کہ پانچ دس منٹ درسہ دیکھ کر واپس ہو جائیں گے لیکن وہاں مدرسہ کے دو فاضل اساتذہ محمد غزالی الجمالی اور محمد بد الباقوی سے ملاقات ہوگئی بس پھر کیا تھا؟ ان حضرات نے طلباء کو جو سب وہیں رہتے ردی پانچ دس منٹ کے اندر اندر سب طلباء کمرہ میں جمع ہو گئے اور ایک جلسہ مرتب ہو گیا۔

© rasailojaraid.com

مدرسہ جمالیہ اپنی نوعیت کا واحد مدرسہ ہے۔ اس کی حیثیت درجۂ تکمیل کی ہے۔ دو برس کا کو
فنون کی اعلیٰ کتابوں کا درس ہوتا ہے۔ بیس طلبار اور تین اساتذہ اس کی کل کائنات ہے۔ بلڈ
شاندار ہے مسجد۔ مدرسہ اور ہوسٹل سب ایک ساتھ ہے۔ غالب اکثریت ملیشیا۔ سنگاپور اور دو
ممالک کے طلبار کی ہوتی ہے۔ یہاں کی زبان عربی ہے۔ درس و تدریس۔ بات چیت۔ تحریر و تقر
کچھ عربی میں ہوتا ہے۔ مدراس یونیورسٹی سے اس کا الحاق ہے۔ اب باتوں باتوں میں نشست
جلسہ کی شکل اختیار کرلی تو پہلے دو ملیشیائی طالب علموں نے نہایت مؤثر انداز میں تلاو
قرآن کی۔ پھر کوکن صاحب نے میرے تعارف میں عربی میں تقریر کی۔ اور اس کے بعد طلبار کے ا
پر میں نے عربی میں اساتذۂ کرام و طلبار کو خطاب کیا۔ جس میں عربی زبان و ادب کی اہمیت او
کے جدید تقاضوں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ تقریر کے آخر میں میں نے طلبار سے کہا کہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ
مجھ سے کچھ علمی سوالات کریں اور میں جواب دوں۔ طلبار یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے مختلف
فقہ۔ ادب۔ معاشرت سے متعلق سوالات کئے اور میں جواب دیتا رہا۔ اس طرح کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ
کا یہ سلسلہ قائم رہا اور طبیعت بہت محظوظ ہوئی۔ دیر کافی ہوگئی تھی اس لئے اب ہم واپس ہو
لیکن مولانا محمد عبدالباری اور مولانا عبدالوہاب بخاری جو میرے دیرینہ کرم فرما اور دوست ہیں اُن
ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا۔ بخاری صاحب تو مدراس میں ہی نہیں تھے اور مولانا محمد عبدالباری کو میری
اگلے دن یعنی ۱۳ ر کی صبح کو میرے منع کرنے کے باوجود محب صمیم مولانا محمد یوسف صاحب کوکن آٹھ بجے ہی
پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ میں ایر انڈیا کے دفتر میں آیا۔ دفتر سے کوچ ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہونے لگی تو کوکن ص
کی غیر معمولی عنایتوں اور کرم گستریوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے رخصت ہوا ½ ۹ بجے جہاز نے
کی اور ٹھیک بارہ بجے یعنی ڈھائی گھنٹے میں دلی میں پالم پر پہنچا دیا اور یہ سفر دہ روزہ ختم ہوا۔
عجیب بات ہے کہ جنوبی ہند کی فضا یہاں سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں فرقہ وارانہ تعصب اور کر
کے باعث ہر وقت دماغ پر جو بوجھ رہتا ہے اس کا ان دنوں کہیں نام و نشان بھی نہ تھا اور سکون محسوس ہوتا تھا۔
ماشاء اللہ خوش حال ہیں تعلیم یافتہ اور اپنے مسائل سے خوب باخبر ہیں۔ اسلامی جماعت کہ تبلیغی جماعت دونوں
سے کام کر رہی ہیں۔ مسلمانوں میں تعمیری کاموں کے انجام دینے کی بڑی صلاحیت ہے۔ بڑی جرأت و ہمت اور روش

م کے ساتھ نئے حالات میں اپنے لیے جگہ بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ البتہ ہندی کے نادان دوستوں کی وجہ سے جنوب کو شمال کے ساتھ سخت تنفر اور دشمنی ہے۔ مدراس میں حکمراں پارٹی نہایت مقبول اور ہر دلعزیز ہے اگر یہی کشمکش اور کشیدگی کا عالم رہا تو اس ملک کی سالمیت اور وحدت کا خدا ہی حافظ ہے۔

© rasailojaraid.com

عربی تنقید پر یونانی اثرات کا تحقیقی جائزہ

جناب ڈاکٹر سید احتشام احمد صاحب ندوی
ایم اے، بی ٹی، اتچ (علیگ)
لکچر شعبۂ عربی، ونکٹیشور یونیورسٹی۔ آندھرا پردیش

چوتھی صدی ہجری میں عربی تنقید میں دو مکاتب فکر واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ عربوں کی ادبی تنقید میں ایک رجحان تو وہ ہے جو ہم کو آمدی کے یہاں ملتا ہے اور جس پر ارسطو کی مترجمہ کتابوں کے اثرات نہیں پائے جاتے یا بہت ہلکے ہیں اس کے برعکس قدامہ بن جعفر کا طرزِ فکر عام عرب ناقدوں سے بالکل جدا نظر آتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عربوں کے پاس ادبی تنقید کا سرمایہ تھا اور انھوں نے شکل و ہیئت کی تنقید میں بلاشبہ غیر معمولی تنقیدی اصول مرتب کر لئے تھے چنانچہ خالص عربی خیالات کو عربی تنقید میں بہت سے ناقدوں نے پیش کیا ہے جن میں ہم ابن قتیبہ، ابو العباس ثعلب، اسامہ ابن منقد ابن طباطبا علوی، ابن سلام اور آمدی کا نام لے سکتے ہیں۔ ان ناقدوں نے ارسطو کی کتابوں سے کوئی تاثر قبول نہیں کیا۔ آمدی نے باوجود کچھ متاثر ہونے کے ان اثرات کے خلاف ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں قدامہ کے نظریات کو رد کیا تھا مگر وہ اب نایاب ہے۔ بعد کے ناقدوں میں ابن سنان خفاجی بھی عرب ناقدوں کی صف میں قدامہ بن جعفر کے نظریات کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسری صدی ہجری ہی سے عربی تنقید پر یونانی اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں جوں جوں زمانہ بڑھتا ہے یہ اثرات بھی جڑ پکڑتے جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے عربی تنقید میں نظریاتی پہلو کا اضافہ ہوا۔ جیساکہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عربوں کے پاس شکل و ہیئت کی تنقید کے پیمانے تھے مگر وہ نظریاتی تنقید سے واقف نہ تھے۔ تیسری صدی سے چوتھی صدی تک ارسطو کی دو کتابوں کے ترجموں نے عربوں کی تنقید پر بھرپور اثرات مرتب کیے پہلی کتاب الخطابت ہے۔ (RHETORIC) اور دوسری کتاب کتاب الشعر ہے (POETICS) ان تراجم کی تفصیل تو بعد میں آئے گی مگر اس موقع پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ یہ کتابیں تیسری صدی (۹ ویں عیسوی) میں منتقل ہو چکی تھیں اور ان کے اثرات نمایاں ہو چلے تھے چنانچہ جاحظ کی کتاب البیان والتبیین اور کتاب الحیوان میں ارسطو، افلاطون اور اقلیدس وغیرہ کے نام ملتے ہیں اور ان کے خیالات پر ہلکا سا اثر بھی موجود ہے[1]۔ جاحظ کے بعد پھر ابن معتز کے یہاں کتاب الخطابت کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ ابن معتز (متوفی ۲۹۶ھ) نے کتاب البدیع لکھ کر عربی تنقید میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا لیکن سوال یہ ہے کہ علم بدیع کا ماخذ کیا ہے؟ اس لیے کہ اس سے قبل اس موضوع پر عربی میں کوئی کتاب تصنیف نہ کی گئی تھی۔ ڈاکٹر محمد مندور نے لکھا ہے کہ ابن معتز نے جو علم بدیع کے پانچ ارکان بیان کیے ہیں ان میں سے چار ارسطو کی کتاب سے ماخوذ ہیں اور دونوں کی بیان کردہ تعریفات میں کوئی فرق نہیں یعنی طباق[1]، جناس[2]، استعارہ[3] اور رد الاعجاز علی ما تقدمہا۔ مذہب کلامی کے بارے میں خود ابن معتز ہی نے لکھ دیا ہے کہ یہ انھوں نے جاحظ سے اخذ کیا ہے۔

ابن معتز نے استعارہ کی تعریف یہ کی ہے کہ "استعارۃ الکلمۃ لشئ یعرف بہا من شئ قد عرف بہا" یعنی کسی چیز کی تعریف کے لیے کسی دوسری چیز سے ایسا کلمہ مستعار لینا جس سے وہ معروف ہو تقریباً یہی تعریف ارسطو نے ان الفاظ میں کی ہے کہ استعارہ کسی نام کو دوسرے

---

[1] کتاب الحیوان "۱" یعنی جاحظ ج ۱ ص ۴۷ (مرتبہ عبد السلام ہارون)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جانب منتقل کرنا ہے[1]

اس مثال سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ابن معتز نے ارسطو کی تعریفات کو پوری طرح سمجھ کر عربی میں منتقل کیا ہے۔ کتاب البدیع ارسطو سے ایک اور مطابقت ملتی ہے وہ یہ کہ جس طرح ارسطو نے بعض مثالیں پیش کر کے ان پر تنقید کی ہے بالکل اسی طرح ابن المعتز نے بھی کیا ہے[2]

ابن معتز کی ترجمہ کی ہوئی تعریفات آئندہ عربی تنقید کی بنیادیں ثابت ہوئیں۔ اس سلسلہ میں ان کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ انھوں نے مذکورہ تعریفات پر استشہاد قرآن و حدیث اور عربی کی جدید و قدیم شاعری سے کیا ہے اور اس طرح کہ ان کو عربی قالب پہنا دیا اور یہی وجہ ہے کہ ابن معتز کی اصطلاحوں سے عرب زیادہ مانوس ہیں اور انھوں نے ان میں کوئی اجنبیت محسوس نہ کی۔ اگر کہیں قدامہ اور ابن معتز کی اصطلاحوں میں تضاد ہوا ہے تو عربوں نے قدامہ کے بجائے ابن معتز کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ایک ہی اصطلاح کا ترجمہ دونوں کے یہاں مختلف ہو جاتا ہے مثلاً ابن معتز جس کو طباق کہتے ہیں قدامہ اس کا نام "المتکافی" رکھتے ہیں

ابن معتز کے یہاں یونانی اثرات چھپے ڈھکے انداز میں نظر آتے ہیں مگر اس کے بعد جو ناقد آتے ہیں ان کے یہاں یہ اثرات نمایاں ہو کر سامنے آ جاتے ہیں چنانچہ قدامہ بن جعفر، اسحاق بن ابراہیم، ابو ہلال عسکری، قاضی جرجانی اور عبد القاہر جرجانی نظریاتی تنقید کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں یونانی خیالات سے روشنی فکر و نظر حاصل کرتے ہیں، اس نقطۂ نظر سے اب ہم تمام اہم عرب ناقدوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ابن المعتز کے بعد قدامہ بن جعفر سامنے آتا ہے اور اس کی کتاب "نقد الشعر" میں یونانی نظریات پوری وضاحت کے ساتھ ہمیں نظر آتے ہیں۔ قدامہ نے پہلی بار عربی تنقید کو مرتب انداز

---

[1] DE POETICA, TRANSLATED BY INGRAM BY WATER, OXFORD P. 1457-B

[2] النقد المنہجی عند العرب مولفہ ڈاکٹر محمد مندور ص ۵۸ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں پیش کیا اور تنقید کے مسائل کو بڑے سلیقہ اور گہری فکر کے ساتھ عربوں سے متعارف کرایا قدامہ سے پہلے جتنی کتابیں لکھی گئی تھیں ان میں نظریاتی بحثوں کا کہیں دور دور پتہ نہیں چلتا نقدالشعر اس لحاظ سے پہلی کتاب ہے جس میں تنقید کا مطالعہ سائنٹفک انداز سے کیا گیا ہے۔ اس کتاب نے بعد کے سارے ناقدوں کو متاثر کیا اور سب نے اس سے خوشہ چینی کی مگر بڑے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ قدامہ کے بعد استفادہ تو ہر ایک نے اس کی کتاب سے کیا لیکن اس کی تعریف میں ایک جملہ بھی کہنا کسی نے گوارا نہ کیا اس سے عربوں کا یہ تعصب صاف جھلکتا ہے کہ وہ شعر و ادب کے بارے میں غیر عربی نظریات کی تعریف میں بخل سے کام لیتے ہیں اور اس بات کو بہت برا سمجھتے ہیں کہ ان کے ادب کو کسی دوسرے ادب کا خوشہ چیں کہا جائے حتیٰ کہ جدید عرب ناقدین میں بھی ایک طبقہ ایسا ہے جو یونانی اثرات کا بالکل منکر ہے اور کتاب الشعر و کتاب الخطابت کے اثرات کا عربی تنقید پر سرے سے انکار کرتا ہے چنانچہ محمد مندور اپنی کتاب "النقد المنہجی عند العرب" میں قدامہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "یہ بڑا اچھا ہوا کہ قدامہ کی کتاب نے عربی تنقید کو بہت زیادہ متاثر نہیں کیا اور قدامہ کی جو کچھ بھی خصوصیت ہے وہ اصطلاحات کے وضع کرنے تک محدود ہے اور جن لوگوں نے قدامہ کی تقسیماتِ بلاغت کو اختیار کیا ہے وہ آمدی اور جرجانی جیسے لوگ نہیں ہیں بلکہ علماء بلاغت ہیں جو ان سے متاثر ہوئے ہیں[۱]"

تعجب ہوتا ہے کہ محمد مندور ابن المعتز کی اس لئے تعریف کرتے ہیں کہ انھوں نے اہلِ یونان سے متاثر ہو کر اصطلاحات وضع کیں لیکن اسی بات کو قدامہ کے یہاں پا کر سخت برہم ہو جاتے ہیں۔

ان متعصب ناقدین کے برعکس طٰہٰ حسین جو ان سے زیادہ صاحب فن اور حقیقت پسند ہیں وہ صاف لکھتے ہیں کہ شروع ہی سے عرب ناقدین نے قدامہ کی تعریف میں بخل کیا ہے حالانکہ تمام ناقدوں نے بلا استثناء اس کی کتاب "نقد الشعر" سے نظریات اخذ کئے ہیں[۲]

قدامہ بن جعفر عرب ناقدین کی صف میں مظلوم نظر آتا ہے مگر اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ اس کی کتاب نے سب سے زیادہ عربی تنقید کو متاثر کیا اور واقعہ یہ ہے کہ کتاب البدیع سے نہیں بلکہ

---

[۱] النقد المنہجی عند العرب ص ۷۰۔ [۲] ملاحظہ ہو مقدمہ نقد النثر از طٰہٰ حسین۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقد الشعر سے عربی تنقید میں ایک نئی روح بیدار ہوتی ہے اور ابن المعتز کی طرح اس کتاب کا دائرہ محض اصطلاحات تک محدود نہیں رہتا بلکہ قدامہ ان اصطلاحات کو پیش کرنے کے علاوہ بہت سے تنقیدی مسائل بھی پیش کرتے ہیں اور بہت سے تنقیدی نظریات سامنے لاتے ہیں پھر اگر یہ قدامہ کے لیے عیب ہے کہ انھوں نے ارسطو سے کسب فیض کیا تو آخر یہی خوشہ چینی ابن المعتز کے لیے کیسے جائز ہو جاتی ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ ذرا تفصیل سے قدامہ کی کتاب نقد الشعر سے ان مسائل کا ذکر کروں جنھوں نے بلاشبہ تمام عرب ناقدوں کو متاثر کیا ہے اور پھر ان ناقدوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے قدامہ سے کسب فیض کیا ہے۔

قدامہ نے ایسا نہیں کیا کہ ارسطو کے نظریات اور مثالوں کو من و عن نقل کر لیا ہو جس طرح بعد میں ابن سینا نے بحیثیت شارح کے کیا بلکہ انھوں نے ان نظریات کو جو ارسطو سے اخذ کئے انھیں عربی مثالوں سے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ انھیں پڑھنے سے کسی اجنبیت کا احساس بالکل نہیں ہوتا۔

سب سے پہلے قدامہ شعر کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ وہ موزوں و مقفی قول ہے جو کسی معنی پر دلالت کرے اگرچہ اس تعریف کا تعلق ارسطو سے زیادہ نہیں ہے۔ پھر وہ شعر کے چار عناصر کا ذکر کرتے ہیں یعنی لفظ، وزن، قافیہ اور معنی پھر انھیں عناصر کو ایک دوسرے سے ملا کر چار مرکب شکلیں پیش کرتے ہیں یعنی لفظ کو معنی کے ساتھ لفظ کو وزن کے ساتھ معنی کو وزن کے ساتھ معنی کو قافیہ کے ساتھ پہلے چار مفردات کا قدامہ تفصیلی ذکر کرتے ہیں پھر چاروں مرکبات کا۔ قدامہ نے پہلے ان اقسام کی مستحسن قسمیں بیان کی ہیں پھر وہ عیوب بتائے ہیں جن سے شعریت مجروح ہوتی ہے۔ کتاب کی تفصیلات میں جانے سے بہتر ہے کہ اب میں ان مسائل کو ترتیب وار بیان کر دوں جو قدامہ سے قبل عربی تنقید میں موجود نہ تھے۔ اور بعد میں انھیں تمام ناقدوں نے قبول کر لیا۔

معانی کی بحث میں قدامہ نے ایک ایسا نظریہ پیش کیا ہے جو تمام عرب ناقدین نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے معنی کی خوبی قدامہ نے یہ بتائی ہے کہ اس کو مقصد کے مطابق ہونا چاہیے جبکہ معانی بے شمار ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وہ ان کو مدح، ہجو، نسیب، مراثی، وصف اور تشبیہ میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر ہر قسم کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ ساری اصناف شاعری کو مدح و ہجو کے تحت لانا چاہتے ہیں مرثیہ ان کے نزدیک مدح میں شامل ہے دونوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ مدح میں مضارع کا صیغہ استعمال ہوتا ہے اور مرثیہ میں ماضی کا اسی طرح غزل کو مدح میں شمار کرتے ہیں اور غزل کے الفاظ و خیالات کی رعایت پر زور دیتے ہیں۔ یہ خیالات ارسطو کے نظریہ سے عبارت ہیں[1]

دوسرا اہم نظریہ یہ ہے کہ بہترین مدح وہ ہے جس میں انسان کے فضائل کا بیان ہو ان صفات کو وہ چار صفتوں میں منحصر سمجھتے ہیں یعنی عقل، شجاعت، عدل اور عفت پھر تفصیل سے انسان کی تمام اہم صفات کا انھیں کو مرجع قرار دیتے ہیں۔ اس نظریہ کو عرب ناقدوں نے پوری طرح اپنا لیا ہے صرف آمدی نے اسے قبول نہیں کیا جس کا ذکر کر کے ڈاکٹر مندور لکھتے ہیں کہ اسطرح قدامہ نے شاعر کو جسمانی صفات کے بیان سے محروم کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ عرب شعراء غزل میں کمر کا بیان نہیں کر سکتے قدامہ کی مذکورہ تعریف کے مطابق[2] بہرحال میرا خیال ہے کہ اگر اس جدید دور میں شاعر محبوب کی کمر کے بیان سے محروم رہ جائے تب بھی اس کی فنی عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ غزل کے سلسلہ میں الفاظ و خیالات کی جن رعایتوں پر قدامہ نے زور دیا ہے ان کو تمام ناقدوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے مثلاً ابن رشیق اور مرزبانی وغیرہ نے۔

تشبیہ کا پورا بیان قدامہ نے ارسطو سے اخذ کیا ہے قدامہ کا یہ قول کہ جس تشبیہ میں دونوں چیزوں کا اشتراک صفات میں زیادہ ہو اور باہم انفرادیت کم ہو تو وہ سب سے بہتر تشبیہ ہے یہ تعریف ارسطو کی اس تعریف سے بالکل مطابقت رکھتی ہے کہ استعارہ جس میں ارسطو کے نزدیک تشبیہ بھی شامل ہے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تناسب پر قائم ہو اور ایک ہی نوع کی چیز سے ماخوذ ہو[3]

---

[1] النقد المنہجی عند العرب ص ۶۵ نقد النثر ص ۱۸۔۱۹ [2] النقد المنہجی ص ۱۲۸، ۱۲۹

[3] DE POETICA, TRANSLATED BY INGRAM BYWATER PAGE. 1458 - B.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبالغہ اور غلو کے ذکر میں قدامہ یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ صف اول کے شعرار غلو کی وجہ سے زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں غلو اچھی شاعری کا خاصہ ہے پھر وہ ان لوگوں کی رائے کی تردید کرتے ہیں جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شاعر کو غلو کے بجائے اعتدال سے کام لینا چاہیئے یہ نظریہ بھی ارسطو سے ماخوذ ہے[۱]

پھر اس بحث میں یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ جھوٹ شاعری میں جائز ہے یا نہیں دوسرے لفظوں میں صدق و کذب کی بحث میں فن و اخلاق کی بحث شامل ہو جاتی ہے۔ قدامہ نے صاف طور پر اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ فن کو اخلاق کے پیمانوں سے ناپنا ٹھیک نہیں مثال کے طور پر انھوں نے امرأ لقیس کے بعض فحش اشعار پیش کر کے بتایا ہے کہ اگرچہ اخلاقی اعتبار سے یہ اشعار سقیم ہیں مگر فنی نقطۂ نظر سے بہت اچھے شمار ہونے کے لائق ہیں[۲]۔

یہ نظریہ بھی ہم کو عرب ناقدین کے یہاں ملتا ہے مثلاً صولی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کفر سے شعر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ ایمان سے اشعار میں کوئی اضافہ ہوتا ہے[۳]۔

عرب ناقدین کی تمام اہم کتابوں میں قدامہ کے مذکورہ نظریات موجود ہیں مثلاً ابن رشیق کی کتاب العمدہ، قاضی جرجانی کی کتاب الوساطۃ بین المتنبی وخصومہ وغیرہ میں۔

قدامہ کے بعد واضح طور پر عربی تنقید دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک طرف وہ ناقدین نظر آتے ہیں جو یونانی نظریات سے پوری طرح متاثر ہیں اور دوسری جانب وہ ناقدین ہیں جو یونانی خیالات کو پسند نہیں کرتے لیکن بہت سے مسائل وہ انھیں ناقدین سے لیتے ہیں جن کے مخالف ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں ایک ناقد اور سامنے آتا ہے جس کا سارا سرمایۂ فکر و نظر ارسطو کے خیالات ہیں اس نے اپنی پوری کتاب کو یونانی فکر سے رنگ کر پیش کیا ہے۔ یہ کتاب پہلے نقد النثر مصنفہ قدامہ بن جعفر کے نام سے شائع ہوئی تھی مگر یہ تحقیق غلط تھی چنانچہ حسن عبد القادر کو بعد میں ایک

---

[۱] DE POETICA P. 146 — 1460 — نقد النثر ص ۱۹ —

[۲] DE POETICA P. 146 — 1461 —

[۳] النقد المنہجی ص ۷۵ —

© rasailojaraid.com